Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 18. Issue 01, June 2026

تحقیقی وتنقیدی مجلّہ
دریافت

Received: 19 February, 2026 | Accepted: 13th June, 2026 | Available Online: 30th June, 2026
Digital Object Identifier: 10.52015/daryaft.v18i01.448

باؤمن کے نظریۂ سیال جدیدیت کی روشنی میں ناول "آبِ نیل پہ آوارگی" کا تجزیاتی مطالعہ

An Analytical Study of the Novel "A Drift on the Nile" in the Light of Bauman's Theory of Liquid Modernity

DR. SIDRA TAHIR[1] AND DR. SHEEMA SAADIA[2]
[1] Assistant Professor (IPFP-Fellow), Department of Urdu, International Islamic University, Islamabad, Pakistan
[2] Teacher Aide, Spruce Elementary School, South San Francisco, California, USA
Corresponding author: Dr. Sidra Tahir (sidra.tahir.fani@gmail.com)

CONFLICT OF INTEREST: The authors declare that there are no conflicts of interest related to the research, authorship, and/or publication of this article, and that the data presented have not been fabricated or falsified.

FUNDING: This research did not receive any specific grant or financial support from public, commercial, or not-for profit funding agencies.

PARTICIPANT CONSENT: The authors confirm that Informed consent was obtained from all participants, and confidentiality was duly maintained.

KEYWORDS: liquid, Modernity, Instability, Aab-e-Neel Pe Aawargi, Behaviors, Zygmunt Bauman's, houseboat, Uncertainties

ABSTRACT: This study offers an analytical reading of the novel 'Aab-e-Neel Pe Aawargi' through Zygmunt Bauman's concept of liquid modernity. It examines how contemporary social and individual experiences are shaped by instability, transience, fragmented identities, and fragile relationships, as reflected in the novel's characters, events, and thematic structure. The houseboat, as a central symbolic space, functions as a temporary refuge that reflects the impermanence and rootlessness characteristic of modern life. The research adopts an interpretive and analytical methodology, focusing on narrative structure, character development, and key events in relation to Bauman's theoretical framework. By applying this contemporary sociological lens to an Urdu novel, the study highlights new interpretive possibilities within Urdu literary criticism. The findings indicate a continuous transformation in human relationships and social values under the pressures of modernity. The novel reflects the psychological uncertainty and existential fluidity of contemporary existence, where stability is increasingly replaced by change and insecurity. Ultimately, the study demonstrates how literary texts can effectively represent the complexities of life in a rapidly shifting social order.

This work is licensed under a Creative Commons Attribution-Non Commercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)

ادب نہ صرف ذاتی کیفیات اور داخلی دنیا کا عکاس ہوتا ہے بلکہ یہ معاشرتی ڈھانچے، تہذیبی اقدار، اور سماجی تبدیلیوں کو بھی پیش کرتا ہے۔ ادب زندگی کے پیچیدہ تجربات اور انسانی وجود کی گہرائیوں کو سمجھنے اور بیان کرنے کا اہم ذریعہ ہے۔ ادبی فن پارے فرد اور معاشرے کے مابین رابطے کا کام کرتے ہیں۔ ادیب اپنے مشاہدات اور خیالات کو اپنے فن کی وساطت سے پیش کر کے معاشرتی

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 18. Issue 01, June 2026

تحقیقی وتنقیدی مجلّہ
دریافت

حقیقتوں کو ایک فلسفی کی طرح اجاگر کرتا ہے جس سے قاری کو فکری سطح پر ایک نئی سمت عطا ہوتی ہے جو اس کی سوچ کو نئے زاویوں سے ہم آہنگ کرتی ہے۔ ادیب نہ صرف موجودہ دور کی ترجمانی کرتے ہیں بلکہ وہ آنے والے وقتوں کے لیے بھی ایک فکری اور جمالیاتی رہنمائی کا کام کرتے ہیں۔ ادب میں انسانی تاریخ، فلسفہ، مذہب، اور معاشرتی نظریات کی جھلک ملتی ہے۔ نظم و نثر کی قدیم اور جدید اصناف نے ہر دور میں ادب کو نت نئی جہتوں سے نوازا ہے۔ نظم ہو یا نثر دونوں ہی انسانی جذبات اور فکری ارتقا کی تصویر کشی میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ نظم اپنے مخصوص عروض اور ہیئت کے ساتھ جذبات کی شدت کو مجسم کرتی ہے جب کہ نثر اپنی آزادانہ ساخت کی وجہ سے ہر قسم کے فکری اور سماجی موضوعات کو تفصیل سے بیان کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ دونوں طرح کے اظہار ہی ادب کی دنیا میں اپنی اپنی جگہ پر انتہائی اہمیت کے حامل ہیں اور ان کے ذریعے انسانی تجربات، تہذیبی رنگ، اور معاشرتی حقائق کو بہترین انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ زیرِ مطالعہ ناول عالمی ادب کا نوبل انعام یافتہ ناول اور نجیب محفوظ کا تخلیقی شاہکار ہے۔ یہ ناول عربی زبان میں تخلیق کیا گیا۔ اس شہرہ آفاق ناول کا انگریزی ترجمہ "آڈرفٹ آن دی نیل"(A Drift on the Nile) کے نام سے "فرانسس لیارڈ" (Frances Liardet) نے کیا۔ جسے پہلی مرتبہ ۲۰۰۴ء میں نیئر عباس زیدی نے اردو میں سلیس، سادہ اور رواں روپ میں ڈھالا۔ یہ ناول مصری معاشرے کی دگر گوں ساخت اور انسانی تعلقات کی نزاکتوں کو باریک بینی سے اجاگر کرتا ہے۔ مصر کو آرٹ اور ادب کی قدیم ترین سرزمین ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ دنیا میں سب سے پہلے شعور و آگاہی کے ساتھ ادب برائے ادب مصر میں تخلیق ہوا۔ ابنِ حنیف اپنی کتاب "مصر کا قدیم ادب" میں بیان کرتے ہیں:

> "تقریباً ۴۳۵۰ برس قبل غیر مذہبی ادب دنیا میں سب سے پہلے مصر میں تخلیق ہوا۔ ۴۱۰۰ برس قبل قلم روشنائی سے قرطاس پر "مختصر کہانی" پہلی مرتبہ مصر میں رقم کی گئی۔ ڈرامہ، عشقیہ شاعری، خودنوشت، سوانح اور تنقیدی شعور سب مصر میں پیدا ہوا۔ ۴۰۰۰ برس قبل کتابیں سب سے پہلے مصر میں لکھی گئیں۔ دنیا کا پہلا معلوم عظیم دانش ور، ادیب و مصنف مصری تھا۔ دنیا کا پہلا معلوم نقاد (خاخپ ارر اسونب) مصر کا رہنے والا تھا۔ دنیا کا پہلا عظیم شاعرِ فطرت (فرعون اخناتون) مصر میں پیدا ہوا۔"(۱)

یہی قدیم ادبی اور تہذیبی پس منظر وقت کے ساتھ ارتقاپذیر ہو کر جدید مصری ادب کے فروغ کا سبب بنا جس نے نئی فکری اور فنی جہات اختیار کیں۔ جدید مصری ادب کا آغاز انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں ہوا۔ اس دور میں محمود تیمور، احمد امین اور نجیب محفوظ جیسے ادیب نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔ جنھوں نے اپنی تخلیقات کے ذریعے نہ صرف مصری معاشرے کی عکاسی کی بلکہ عالمی ادب میں بھی ایک ممتاز مقام حاصل کیا۔

نجیب محفوظ: تعارف

نجیب محفوظ ۱۱ دسمبر ۱۹۱۱ء کو مصر کے شہر قاہرہ کے قدیمی محلے "جمالیہ" میں پیدا ہوئے جس کی تہذیبی فضا ان کی تخلیقات میں واضح طور پر جھلکتی ہے۔ وہ ایک متوسط طبقے سے تعلق رکھتے تھے اور سات بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ

بہن بھائیوں کے ساتھ قریبی تعلقات کی کمی محسوس کرتے رہے؛ یہ کمی بھی ان کی تخلیقات میں جابجا دیکھنے کو ملتی ہے۔ اس کے باوجود ان کا بچپن خوش گوار گزرا اور خاندانی محبت و استقامت نے ان کی شخصیت پر گہرا اثر ڈالا۔ نجیب محفوظ کی ابتدائی زندگی اور خاندانی پس منظر کا عکس ان کی کتاب 'خواب نامہ' کے اردو ترجمے کے آغاز میں بھی ملتا ہے جسے آصف فرخی نے ترجمہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"نجیب محفوظ سات بچوں پر مشتمل اس خاندان میں سب سے چھوٹے تھے، جو ان کے چار بھائیوں اور دو بہنوں پر مشتمل تھا۔ نجیب محفوظ اور ان سے بڑے بھائی میں دس برس کا فاصلہ تھا۔ وہ اپنے بہن بھائیوں سے گہرے تعلق کی کمی پر قلق کرتے رہے جو اُن کی کتابوں میں ایسے رشتے ناتوں کے بیان سے بھی ظاہر ہے۔ اس کے باوجود ان کا بچپن خوش باش گزرا۔ ان کا خاندان استقامت اور محبت سے جڑا ہوا تھا اور ان پر محبت کا گہرا اثر تھا۔ محفوظ نے اپنی کتابوں میں اس بچپن کی خوشگوار یادیں چھوڑی ہیں۔"(۲)

بچپن کے تجربات، خاندانی ماحول اور سماجی مشاہدات نے ان کی فکری و ادبی شخصیت کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ انھوں نے قاہرہ یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی۔ ادبی خدمات کے پیشِ نظر انھیں مختلف علمی و ادبی اعزازات سے نوازا گیا۔ ۱۹۸۹ء میں قاہرہ کی امریکن یونیورسٹی کی جانب سے انھیں صدارتی تمغہ تفویض کیا گیا اور ۱۹۹۵ء میں اسی ادارے کی طرف سے انھیں اعزازی ڈاکٹریٹ کی ڈگری عطا کی گئی۔ مزید برآں ۱۹۹۲ء میں انھیں امریکہ کی اکادمی برائے ادبیات کا اعزازی فیلو منتخب کیا گیا جو ان کی عالمی ادبی حیثیت کا مظہر ہے۔ نجیب محفوظ نے ۱۹۳۴ء سے ۱۹۷۱ء تک مختلف سرکاری محکموں میں خدمات انجام دیں۔ ۱۹۳۸ء میں محکمہ اوقاف سے وابستہ ہوئے۔ بعد ازاں ۱۹۴۵ء میں انھیں الغوری لائبریری الجمالیہ منتقل کر دیا گیا۔ اس دوران میں وہ کم آمدنی والے افراد کے لیے قرضے کے سرکاری منصوبے سے بھی وابستہ رہے۔ اسی عرصے میں انھیں عوامی زندگی کا قریب سے مشاہدہ کرنے اور مغربی ادب کے عظیم مصنفین شیکسپیئر، کونرڈ، فلابیئر، استاں دال، ٹالسٹائی، پروسٹ اور برنارڈ شاہ کے مطالعے کا موقع ملا جس نے ان کے فکری و فنی شعور کو مزید نکھارا۔ ۱۹۵۰ء کی دہائی میں وہ فلم سینسر شپ کے ڈائریکٹر جنرل، فلمی صنعت کے مشیر اور محکمہ ثقافت کے مشیر کے طور پر بھی خدمات انجام دیتے رہے، تاہم ان کی اصل شناخت ایک عظیم ناول نگار کی حیثیت سے ہی قائم ہوئی۔ ان کے ادبی سفر کا آغاز ۱۹۳۹ء میں ناول "تقدیر کا کھیل" سے ہوا۔ اس کے بعد انھوں نے ۳۴ سے زائد ناول اور ۱۴ افسانوی مجموعے تخلیق کیے۔ علاوہ ازیں ۱۹۴۰ء کے اوائل سے ۱۹۷۰ء تک تقریباً ۲۵ فلموں کے منظر نامے بھی تحریر کیے۔ ان کی تخلیقات پر مبنی متعدد فلمیں بھی مصر میں بنائی گئیں۔ ۱۹۷۱ء میں وہ قاہرہ کے معروف روزنامے "ایہرِیطس" سے بطور لکھاری وابستہ ہوئے۔ ان کی زندگی کے آخری دور میں شائع ہونے والا افسانوی مجموعہ "ساتواں آسمان" ان کی تخلیقی توانائی کا ثبوت ہے۔ نجیب محفوظ کو دو مرتبہ مصر کے حکومتی انعام جب کہ ۱۹۸۸ء میں ادب کے نوبل انعام سے نوازا گیا۔

نجیب محفوظ کی کتب کے اردو تراجم نے بھی ان کے ادب کو برصغیر میں متعارف کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔ "آبِ نیل پہ آوارگی"، "چور اور کتے"، "خواب نامہ"، "یادوں کی بازگشت" اور "شادیانے" جیسے تراجم اردو قارئین میں خاصی مقبولیت رکھتے ہیں۔

نجیب محفوظ کے موضوع اور اسلوب کے بارے میں ایڈورڈ سعید لکھتے ہیں:

"۱۹۸۸ء میں نوبل انعام ملنے سے قبل نجیب محفوظ غیر عرب دنیا میں عربوں یا مشرقِ وسطیٰ سے متعلق علوم کے طلبہ میں ایک ایسے ادیب کی حیثیت سے جانے جاتے تھے جن کی دلکش کہانیاں قاہرہ کے نچلے متوسط طبقے کے افراد کی زندگی کی عکاس ہوا کرتی تھیں۔"[۳]

نیئر عباس زیدی کے بقول:

"نجیب محفوظ کے ناولوں میں جو موضوعات اور رجحانات ہمیں نظر آتے ہیں، ان میں زندگی سے متعلق بنیادی سوالات جیسے وقت کا گزرنا، معاشرہ اور روایات، علوم و عقائد، منطق و محبت وغیرہ شامل ہیں۔"[۴]

زیگمنٹ باؤمن: تعارف

زیگمنٹ باؤمن (Zygmunt Bauman) عہدِ حاضر کے اُن ممتاز ماہرینِ عمرانیات میں شمار کیے جاتے ہیں جنھوں نے جدید اور مابعد جدید معاشرے کی بوقلموں کو بصیرت افروز انداز میں سمجھنے اور بیان کرنے کی کوشش کی۔ وہ ۱۹ نومبر ۱۹۲۵ء کو پولینڈ کے شہر پوزنا میں پیدا ہوئے اور ۹ جنوری ۲۰۱۷ء کو انگلینڈ کے شہر لیڈز میں وفات پائی۔ باؤمن کا شمار یورپ کے بااثر دانشوروں میں ہوتا ہے، جن کے افکار نے سماجیات، فلسفے اور ثقافتی مطالعات کے میدان میں گہرے اثرات مرتب کیے۔

باؤمن کی علمی زندگی کا مرکزی محور عصری معاشرتی تبدیلیاں اور ان کے انسانی زندگی پر اثرات تھے۔ انھوں نے خاص طور پر اس امر کا تجزیہ کیا کہ جدیدیت، عالمگیریت اور سرمایہ دارانہ نظام نے انسانی رشتوں، شناخت اور سماجی ڈھانچوں کو کس طرح متاثر کیا ہے۔ ان کی تحریروں میں غریب، پسماندہ اور بے گھر افراد کے مسائل کو نمایاں اہمیت حاصل ہے، اور وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ تیز رفتار سماجی تبدیلیاں سب سے زیادہ انھی طبقات کو متاثر کرتی ہیں۔

ان کی زندگی کا ابتدائی دور سیاسی اور تاریخی اتار چڑھاؤ سے بھرپور رہا۔ ۱۹۳۹ء میں جب جرمنی نے پولینڈ پر حملہ کیا تو باؤمن اپنے خاندان کے ہمراہ سوویت یونین ہجرت کر گئے۔ دوسری جنگِ عظیم کے دوران انھوں نے سوویت کمان کے تحت پولش فوج کے ایک یونٹ میں خدمات انجام دیں۔ جنگ کے بعد وہ واپس پولینڈ آئے اور وارسا یونیورسٹی سے سماجیات اور فلسفے کی تعلیم حاصل کی، جہاں بعد ازاں وہ پروفیسر کے منصب پر فائز ہوئے۔ تاہم ۱۹۶۸ء کی سامی مخالف مہم کے نتیجے میں انھیں اپنی ملازمت اور وطن چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اس کے بعد وہ اسرائیل منتقل ہوئے، جہاں انھوں نے تل ابیب اور حیفہ میں تدریسی خدمات انجام دیں، اور بالآخر ۱۹۷۱ء میں برطانیہ کی لیڈز یونیورسٹی سے وابستہ ہو گئے، جہاں سے ۱۹۹۰ء میں سبکدوش ہوئے۔ باؤمن کی تصانیف نے عالمی سطح پر غیر معمولی پذیرائی حاصل کی۔ اپنی معروف کتاب Modernity and the Holocaust(۱۹۸۹ء) میں انھوں نے یہ مؤقف پیش کیا کہ ہولوکاسٹ محض ایک تاریخی حادثہ نہیں تھا بلکہ جدید صنعتی اور نوکر شاہی نظام کی پیداوار تھا۔ اسی طرح Liquid Modernity(۲۰۰۰ء) میں انھوں نے اس تصور کو اجاگر کیا کہ جدید معاشرہ ایک سیال کیفیت اختیار کر چکا ہے، جہاں اقدار، تعلقات اور رشتے مستقل تغیر کا شکار

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 18. Issue 01, June 2026

تحقیقی وتنقیدی مجلّہ
دریافت

ہیں۔ ان کی دیگر اہم کتب میں Modernity and Ambivalence، Postmodernity and Its Discontents، Globalization: The Human Consequences اور The Individualized Society شامل ہیں، جن میں جدید انسان کے مسائل اور عالمی نظام کی پیچیدگیوں کا گہرا تجزیہ ملتا ہے۔ ان کی علمی خدمات کے اعتراف میں انھیں متعدد بین الاقوامی اعزازات سے نوازا گیا، جن میں ۱۹۸۹ء کا یورپی املفی انعام، ۱۹۹۸ء کا تھیوڈور ڈبلیو ایڈورنو ایوارڈ، اور ۲۰۱۰ء کا پرنس آف آسٹوریاس ایوارڈ برائے مواصلات وانسانیات شامل ہیں۔(۵)

باؤمن کے فکری پس منظر اور ان کی علمی خدمات کے تناظر میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انھوں نے محض معاشرتی تبدیلیوں کا مشاہدہ ہی نہیں کیا بلکہ ان تبدیلیوں کی نوعیت اور اثرات کو ایک باقاعدہ نظریاتی صورت بھی دی۔ اسی فکری تسلسل میں ان کا مشہور نظریہ سیال جدیدیت (Liquid Modernity) سامنے آتا ہے، جو عصرِ حاضر کے انسانی اور سماجی تجربات کو سمجھنے میں اہمیت رکھتا ہے۔

باؤمن کا نظریہ: سیال جدیدیت (Theory of Liquid Modernity)

زیگمنٹ باؤمن نے Liquid Modernity میں جدید معاشرے کی اس کیفیت کو "سیال" قرار دیا ہے، جس میں زندگی کے تمام پہلو خواہ وہ شناخت ہو، رشتے ہوں، اقدار ہوں یا سماجی ڈھانچے؛ سب عارضی، غیر مستحکم اور تغیر پذیر ہو چکے ہیں۔ باؤمن کے مطابق ماضی کا "ٹھوس جدید معاشرہ" (Solid Modernity) نسبتاً مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر استوار تھا، جہاں ادارے، وجودی شناخت اور تعلقات دیرپا ہوا کرتے تھے؛ لیکن موجودہ عہد میں یہ تمام عناصر اپنی ٹھوس شکل کھو کر سیال (Liquid) ہو گئے ہیں، یعنی کسی بھی وقت بدل جانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

۱۔ عدم استحکام اور مسلسل تغیر (Instability and Constant Change)

باؤمن کے نزدیک سیال جدیدیت کی سب سے نمایاں خصوصیت مسلسل تبدیلی اور غیر یقینی کیفیت ہے۔ جس کے نتیجے میں انسان ایک غیر مستحکم فضا میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔

> "Forms of social life cannot keep their shape for long, because they decompose and melt faster than the time it takes to cast them."(۶)

ترجمہ: سماجی زندگی کی صورتیں دیرپا نہیں رہتیں، کیونکہ وہ بننے کے عمل سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ بکھر کر تحلیل ہو جاتی ہیں۔

۲۔ شناخت کا بحران (Crisis of Identity)

جدید انسان مستقل شناخت سے محروم ہو کر ایک ایسی نفسیاتی کشمکش کا شکار ہے، جہاں وہ بار بار خود کو نئے سانچوں میں ڈھالنے پر مجبور ہے۔ باؤمن کے الفاظ میں:

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 18. Issue 01, June 2026

تحقیقی وتنقیدی مجلّہ
دریافت

" The search for identity is the ongoing struggle to arrest or slow down the flow, to solidify the fluid...Identities seem fixed and solid only when seen... from the outside."(۷)

ترجمہ: شناخت کی تلاش ایک ایسی مسلسل جدوجہد ہے جس میں انسان وقت اور تغیر کے بہتے ہوئے دھارے کو روک لینے کا خواب دیکھتا ہے، اسے ٹھوس پیکر میں قید کرنا چاہتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ شناختیں محض نظر کا دھوکہ ہیں۔۔۔ باہر سے جامد، مگر اندر سے ہر آن بدلتی ہوئی، سیال اور بے ثبات۔

۳۔ رشتوں کی عارضیت (Fragility of Human Relationships)

باؤمن کے مطابق جدید دور میں انسانی تعلقات پائیدار نہیں رہے۔ جدید انسان مستقل تعلقات سے گریزاں ہو کر عارضی تعلقات قائم کرتا ہے۔

"Relationships are easily entered and easily exited."(۸)

ترجمہ: تعلقات آسانی سے قائم ہوتے ہیں اور آسانی سے ختم بھی ہو جاتے ہیں۔

۴۔ انفرادیت اور تنہائی (Individualization and Isolation)

فرد مسلسل اپنی ذات کی تشکیل میں مصروف رہتا ہے، مگر اسی عمل میں وہ تنہائی اور ذہنی دباؤ کا شکار بھی ہو جاتا ہے۔ باؤمن لکھتے ہیں:

"Individualization consists in transforming human "identity" from a given into a "task"."(۹)

انفرادیت کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی شناخت کو پہلے سے طے شدہ چیز کے طور پر نہیں دیکھتا بلکہ اسے خود بنانے اور سنوارنے کی ذمہ داری قبول کرتا ہے۔

۵۔ عدم تحفظ اور خوف (Insecurity and Uncertainty)

باؤمن کے مطابق سیال جدید معاشرے میں وجودی کرب اور عدم تحفظ کا احساس ایک بنیادی کیفیت بن چکا ہے۔ یہاں جینا مسلسل غیر یقینی صورتحال میں جینے کے مترادف ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں:

"We live in a world of universal flexibility under conditions of acute and prospectless Unsicherheit."(۱۰)

ترجمہ: ہم ایک ایسی دنیا میں جی رہے ہیں جہاں ہر طرف لچک اور شدید غیر یقینی کیفیت موجود ہے۔

جدید انسان ایک ایسے معاشرے میں زندگی گزار رہا ہے جہاں استحکام کی جگہ تغیر، یقین کی جگہ شک، اور پائیداری کی جگہ عارضیت نے لے لی ہے۔ یہی عناصر ناول "آبِ نیل پہ آوارگی" کے کرداروں، ان کے باہمی تعلقات اور مجموعی فضا میں نمایاں طور پر

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 18. Issue 01, June 2026

تحقیقی وتنقیدی مجلّہ
دریافت

جلوہ گر ہوتے ہیں۔ کرداروں کی نفسیاتی بے چینی، شناخت کا بحران اور تعلقات کی ناپائیداری دراصل اسی سیال جدید معاشرے کی عکاس ہیں۔ یوں باؤمن کا نظریہ نہ صرف جدید سماج کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوتا ہے بلکہ ادبی متون، خصوصاً مذکورہ ناول کے نفسیاتی اور کرداری تجزیے کے لیے ایک ٹھوس اور جامع فکری بنیاد بھی فراہم کرتا ہے۔ اردو ادب میں Zygmunt Bauman کے نظریۂ سیال جدیدیت کے تحت جدید معاشرتی اور نفسیاتی مسائل کا مطالعہ ایک نسبتاً نیا پہلو ہے۔ اگرچہ عالمی سطح پر اس نظریے کو جدید معاشرے کی تفہیم کے لیے وسیع پیمانے پر استعمال کیا گیا ہے، تاہم اردو تنقید میں اس کے اطلاق کی مثال نہیں ملتی۔

ناول کا جائزہ

"آبِ نیل پہ آوارگی" ایک ایسا ناول ہے جو جدید شہری زندگی کے داخلی بحران، اخلاقی زوال اور وجودی بے معنویت کو نہایت گہرائی سے اجاگر کرتا ہے۔ اس کی کہانی قاہرہ میں دریائے نیل پر واقع ایک کشتی گھر کے گرد گھومتی ہے، جہاں مختلف پیشوں سے تعلق رکھنے والے افراد روزانہ جمع ہو کر وقتی سکون حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یوں یہ کشتی گھر محض ایک مقام نہیں بلکہ جدید انسان کے لیے ایک عارضی پناہ گاہ کی علامت بن جاتا ہے، جہاں وہ اپنی اصل زندگی کے مسائل سے فرار اختیار کرتا ہے۔ ناول کے کرداروں میں مرکزی کردار "انیس ذکی" ہے جس کی رہائش کشتی پر ہی ہے اور وہ وزارتِ صحت میں ملازم ہے۔ دیگر کرداروں میں کشتی بان "عم عبدہ" جو امام مسجد بھی ہے اور انیس کو لڑکیاں مہیا کرنے کا کام بھی کرتا ہے، "احمد انصر" وزارتِ سماجی امور میں اکاؤنٹس ڈائریکٹر، "مصطفیٰ رشید" قانون دان، "علی السید" ادبی نقاد، "خالد عزور" افسانہ نگار اور "رجب" فلموں میں کام کرتا ہے۔ "لیلیٰ زیدان" آزاد خاتون، "ثانیہ" شادی شدہ بچے کی ماں مگر شوہر سے جدا ہو چکی ہے، "ثنا" نوجوان لڑکی جو فلمی اداکار بننا چاہتی ہے، "سمارا" صحافی ہے۔ یہ تمام کردار بظاہر مختلف سماجی طبقات کے نمائندے ہیں مگر ان کی داخلی کیفیت میں ایک مشترکہ عنصر بے معنویت، بے سمتی اور داخلی انتشار ہے۔ یہی اشتراک انھیں ایک دوسرے کے قریب لاتا ہے، مگر تضاد یہ ہے کہ یہ قربت حقیقی ربط میں تبدیل نہیں ہو پاتی۔

انیس ذکی جدید انسان کے اس داخلی بحران کی نمائندگی کرتا ہے جسے Zygmunt Bauman نے اپنے نظریۂ سیال جدیدیت میں "شناخت کے بحران" (Crisis of Identity) سے تعبیر کیا ہے۔ انیس کی عمر چالیس سال ہے۔ وہ لمبا، تڑنگا نشیلی آنکھوں والا جوان ہے جو دیہات سے قاہرہ تعلیم کے حصول کے لیے آیا تھا۔ ایک سرکاری ملازم ہونے کے باوجود اپنی ذاتی زندگی میں شدید انتشار اور بے معنویت کا شکار ہے۔ بیوی اور بیٹی کی وفات کے بعد اس کی زندگی میں مقصدیت کا فقدان پیدا ہو جاتا ہے اور وہ مسلسل ایک ایسے سوال سے دوچار رہتا ہے جو اس کے وجودی کرب کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی حوالے سے سمارا کے استفسار پر کہتا ہے:

"میں خود سے پوچھتا ہوں کہ میں کیوں زندہ ہوں۔"(۱۱)

انیس کا خود سے یہ سوال اس کی داخلی کیفیت کے ساتھ جدید انسان کے اس عمومی مسئلے کی بھی نشان دہی کرتا ہے جس میں زندگی کا مقصد دھندلا جاتا ہے۔ باؤمن کے مطابق سیال جدید معاشرے میں شناخت کوئی مستقل شے نہیں رہتی بلکہ ایک مسلسل تشکیل پذیر عمل بن جاتی ہے یعنی فرد اپنی شناخت کو خود تشکیل دینے پر مجبور ہوتا ہے، مگر یہ عمل کبھی مکمل نہیں ہو پاتا۔ یہی کیفیت انیس ذکی کے کردار میں نمایاں نظر آتی ہے، جو نہ ماضی سے جڑا رہ پاتا ہے اور نہ ہی مستقبل کے لیے کوئی واضح سمت متعین کر پاتا ہے۔ مزید بر آں، اس کی زندگی

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 18. Issue 01, June 2026

تحقیقی وتنقیدی مجلّہ
دریافت

میں استحکام کا فقدان اس حقیقت سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کشتی گھر پر اس کی رہائش کا انتظام بھی اس کے عزیز دوست کی مہربانی تھی حتیٰ کہ اس کی وزارتِ صحت میں ملازمت بھی سفارش سے ہوئی تھی۔ جس کا اظہار وہ خود سمارا کے پاس کرتے ہوئے کہتا ہے:

"مجھے وزارتِ صحت میں اپنے ایک استاد ڈاکٹر کی سفارش پر نوکری مل گئی۔"(۱۲)

یہ صورتِ حال نہ صرف اس کے ذاتی عدم استحکام کو ظاہر کرتی ہے بلکہ پورے سماجی ڈھانچے کی کمزوری اور غیر منصفانہ نظام کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے۔ جہاں میرٹ کے بجائے تعلقات اور سفارش کو فوقیت حاصل ہے۔ یہی نکتہ آگے چل کر انیس کی شخصیت کے تضادات کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ اس کی ذاتی ناکامیاں اور پیشہ ورانہ عدم استحکام دراصل اسی غیر منصفانہ نظام کی پیداوار محسوس ہوتے ہیں، جس میں وہ خود کو بے اختیار اور بے معنی پاتا ہے۔ اس کا نشے میں مبتلا رہنا اور غیر سنجیدہ طرزِ زندگی داخلی بے چینی اور حقیقت سے فرار کی علامت ہے۔ انیس نے طب، سائنس اور قانون میں تعلیم حاصل کرنے کی کوشش کی مگر کہیں بھی کامیاب نہ ہوا۔ انیس کے دفتری ماحول کی تصویر بھی اسی بیگانگی اور داخلی کشمکش کی عکاسی کرتی ہے، جہاں وہ اپنے اردگرد کے لوگوں سے نفرت اور لاتعلقی کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے:

"تف ہو تم پر! تم سب ابن الوقت ہو۔ تم ایک ایسے خواب کی امید میں چالیں چلتے ہو جو کبھی بھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو گا۔ یہاں پر موجود ایک معجزہ صرف میں ہوں، خلاء میں بغیر راکٹ کے تیزی سے پرواز کرنے والا"(۱۳)

یہ اقتباس دراصل اس کی نفسیاتی کیفیت کا عکاس ہے، جہاں اس کی احساسِ برتری درحقیقت گہرے عدمِ تحفظ (insecurity) کی علامت ہے۔ وہ خود کو دوسروں سے مختلف اور برتر ظاہر کر کے اپنے داخلی خلا کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے، جو سیال جدید انسان کی ایک نفسیاتی دفاعی حکمتِ عملی ہے۔ اس مرحلے پر ناول فرد کی داخلی شکست کو اجتماعی زوال کے ساتھ جوڑ دیتا ہے۔

اسی تناظر میں ناول کا ایک رخ اس وسیع تر سماجی حقیقت کو بھی بے نقاب کرنا ہے جہاں قانون اور انصاف کی غیر مساوی تقسیم نمایاں ہے اور طاقت ور طبقہ قانون کے دائرے سے بالاتر ہے۔ ناول کے کردار، کشتی گھر میں اس صورتِ حال پر گفتگو کرتے ہوئے ایک دوسرے سے کہتے ہیں۔

"تاہم جب نئے قوانین لاگو ہو جائیں گے تو ہمارے دماغ ٹھکانے آجائیں گے۔ کیا یہ بل جانوروں پر لاگو ہوتے ہیں؟ مجھے خطرہ ہے کہ یہ بل بنیادی طور پر جانوروں پر ہی لاگو ہوتے ہیں۔"(۱۴)

یہ مکالمہ اس حقیقت کو اجاگر کرتا ہے کہ قوانین کمزور طبقات تک محدود رہتے ہیں جب کہ طاقتور طبقہ ان سے مستثنیٰ ہوتا ہے۔ یوں انیس کا ذاتی بحران دراصل ایک بڑے سماجی بحران کا استعارہ بن جاتا ہے، اور قاری کو یہ احساس ہوتا ہے کہ فردِ واحد کی شکست اجتماعی نظام کی خرابی سے جڑی ہوئی ہے۔

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 18. Issue 01, June 2026

اسی اجتماعی بے معنویت اور شکست کے احساس کے زیرِ اثر کردار "کشتی گھر" کو ایک علامتی پناہ گاہ کے طور پر اختیار کرتے ہیں۔ خالد سمارا سے باتیں کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس کشتی گھر میں موجود کوئی فرد بھی مکمل شخصیت نہیں ہے بلکہ ریزہ ریزہ عناصر سے اس عمارت کی تشکیل ہوئی ہے۔ کشتی گھر کو انسانی تدبر کی آخری پناہ گاہ قرار دیتے ہوئے راہِ فرار کو تلاش کیا جاتا ہے۔

"کیا خود کو خوابوں میں غرق کرنا بھی راہِ فرار ہے۔ آج کے خواب کل کی حقیقتیں ہیں۔ کیا انتہا کی تلاش بھی راہِ فرار ہے؟ خدارا، اس کے علاوہ ہم کیا کر سکتے ہیں؟ کیا جنسیت بھی راہِ فرار ہے؟ یہ بھی تو ایک تخلیق ہے۔ اور حقے کے بارے میں کیا خیال ہے۔ کیا یہ بھی راہِ فرار ہے؟ یہ زندگی سے راہِ فرار ہے؟ یہ خود ایک زندگی ہے۔"(۱۵)

ان سوالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ کردار ان مختلف صورتوں کے ذریعے حقیقت سے فرار حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تاہم، یہ فرار محض عارضی تسکین فراہم کرتا ہے اور ان کے وجودی خلا کو پُر نہیں کر پاتا۔ یوں "کشتی گھر" ایک نفسیاتی کیفیت کی علامت بن کر ابھرتا ہے۔ جہاں کردار انھی عوامل کو زندگی کی بنیادی ضرورت تسلیم کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آخرکار، یہ تمام مباحث زندگی کی ناپائیداری اور انسانی وجود کے بنیادی سوالات پر منتج ہوتے ہیں۔ یہی وجودی اضطراب اس سوال میں شدت کے ساتھ ابھرتا ہے:

"کیا یہ سچ ہے کہ ایک نہ ایک دن ہم سب وفات پا جائیں گے۔"(۱۶)

یہ سوال انسانی زندگی کی ناپائیداری اور موت کی ناگزیریت کو اجاگر کرتا ہے، جو کرداروں کے شعور کے کسی نہ کسی گوشے میں موجود ہے، مگر وہ اس کا سامنا کرنے کے بجائے فرار کو ترجیح دیتے ہیں۔ اسی خیال کو مزید وسعت اس وقت ملتی ہے جب حادثے میں ایک شخص کی موت کے بعد انیس کے ذہن میں سوالات کا ایک سلسلہ جنم لیتا ہے:

"کیا وہ اب بھی درد میں مبتلا ہو گا؟ کیا وہ نہیں جانتا کہ اسے کیوں اور کیسے قتل کیا گیا؟ اس کا وجود کیونکر تھا؟ کیا وہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا؟ کیا زندگی گزر گئی جیسے اس کا وجود تھا ہی نہیں؟"(۱۷)

یہ سوالات محض ایک فرد کی موت پر ردعمل نہیں بلکہ انسانی وجود، شعور اور فنا کے بنیادی مسائل کی عکاسی کرتے ہیں۔ انیس کے یہ خیالات یہ بات واضح کرتے ہیں کہ کشتی گھر کے کردار، بظاہر بے حسی کا مظاہرہ کرنے کے باوجود، اندرونی سطح پر شدید وجودی کشمکش کا شکار ہیں۔ اسی وجودی خلا اور لاتعلقی کو کشتی گھر میں ہونے والی گفتگو مزید واضح کرتی ہے، خاص طور پر اس موقع پر جب سمارا پہلی بار وہاں آتی ہے۔

"اپنی حقیقی دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے اس نے پوچھا "کیا آپ لوگوں کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ آپ کے گردونواح میں کیا ہو رہا ہے؟" ہم کبھی کبھار ہنسی مذاق کی خاطر اسے مفید قرار دیتے ہیں۔ وہ بڑی بے یقینی سے مسکرائی۔ مصطفیٰ نے گفتگو جاری رکھی: شاید تم خود سے مخاطب ہو، یہ مصری ہیں، یہ عرب ہیں، یہ انسان ہیں اور تو اور یہ لوگ تعلیم یافتہ ہیں، لہذا ان کے معاملات کی حدود نہیں ہیں۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ ہم نہ تو مصری ہیں نہ عرب اور نہ ہی انسان، ہمارا

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 18. Issue 01, June 2026

تعلق کسی سے بھی نہیں۔ سوائے اس کشتی گھر کے وہ ہنس پڑی، جیسے وہ کسی شاندار لطیفے پر ہنسی ہو،
مصطفیٰ نے گفتگو جاری رکھی: "جب تک کشتیاں سلامت ہیں، رسے اور زنجیریں مضبوط ہیں، عم
عبدہ جاگ رہاہے اور حقہ تازہ ہے، اس وقت تک ہمارا کسی اور چیز سے کوئی تعلق نہیں۔"(۱۸)

اس کے یہ الفاظ شناخت کے مکمل انہدام کی علامت ہیں، جہاں فرد نہ صرف اپنی قومی اور سماجی شناخت کھو چکا ہے بلکہ انسانیت، ماحول اور سماجی ذمے داریوں سے کٹ کر ایک بے حسی کی کیفیت میں مبتلا ہے۔ باؤمن اسی بیگانگی کو سیال جدیدیت کی بنیادی خصوصیت قرار دیتا ہے، جہاں فرد اپنی ذات میں محدود ہو کر اجتماعی شعور سے دور ہو جاتا ہے۔ مزید بر آں، کشتی گھر میں حقہ، محفل اور آوارگی کی فضا بھی علامتی حیثیت رکھتی ہے، جو وقتی سکون اور مصنوعی تعلقات کی نمائندگی کرتی ہے۔ یہ تمام عناصر مل کر ایک ایسی دنیا کی تشکیل کرتے ہیں جہاں حقیقت سے فرار، شناخت کا بحران اور تعلقات کی سطحیت غالب ہے۔ جب فرد اپنی شناخت سے ہی محروم ہو جائے تو اس کے لیے کسی بھی تعلق میں استحکام پیدا کرنا ممکن نہیں رہتا، اور یہی کیفیت ناول کے کرداروں کے باہمی روابط میں نمایاں نظر آتی ہے۔

ناول کے یہ کردار ایک ایسے فرد اور معاشرے کی تصویر پیش کرتے ہیں جو داخلی طور پر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے، اپنی شناخت کے تعین میں ناکام ہے اور ایک ایسی دنیا میں زندہ ہے جہاں کوئی بھی چیز مستقل یا معنی خیز نہیں رہی۔ ناول میں انسانی تعلقات کی عارضیت اور جذباتی عدم استحکام ایک نمایاں موضوع کے طور پر ابھرتا ہے۔ باؤمن کے مطابق جدید معاشرے میں تعلقات اب پائیدار اور ابدی نہیں رہے بلکہ وقتی، سطحی اور مفاداتی نوعیت کے حامل ہو گئے ہیں۔ باؤمن کے اس مؤقف کی عکاسی ہمیں ناول کے کردار رجب میں واضح طور پر نظر آتی ہے، جو مختلف عورتوں کے ساتھ عارضی تعلقات قائم کرتا ہے۔ ناول میں کئی نوجوان لڑکیوں کو کشتی گھر میں سب سے یہی متعارف کراتا ہے۔ ناول میں اسے جنس کا دیوتا بھی کہا گیاہے اور یہ اس قول پر اپنی حرکات و سکنات کی بدولت بالکل پورا اترتا ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

"رجب اسے (ثانیہ) پہلی مرتبہ یہاں لے کر آیا تھا، جیسے وہ لیلی کو پہلی مرتبہ لایا تھا، کیونکہ وہ
جنسیت کا دیوتا ہے، ہمارے گھر میں عورتیں مہیا کرنے والا۔"(۱۹)

رجب کا پہلے ثانیہ کامل کے ساتھ تعلقات قائم کرنا، پھر نئی لڑکی (ثنا) کو کشتی گھر میں لانا اور جلد ہی سمارا کے ساتھ بھی جنسی تعلقات قائم کر لینا، رجب کے یہ رویے اس بات پر دلالت ہیں کہ جدید انسان جذباتی وابستگی سے زیادہ فوری تسکین کو ترجیح دیتا ہے، جس کے باعث تعلقات اپنی اخلاقی اور انسانی بنیادیں کھو دیتے ہیں۔ یہ صورتحال باؤمن کے اس مؤقف کی تائید کرتی ہے کہ رشتے آسانی سے بنتے بگڑتے ہیں۔ یعنی جدید انسان تعلقات قائم بھی آسانی سے کرتا ہے اور ختم بھی بغیر کسی احساسِ ذمے داری کے کر دیتا ہے۔ یہی کیفیت ناول کے دیگر کرداروں میں بھی دیکھی جا سکتی ہے، جہاں تعلقات میں سنجیدگی اور استحکام کا فقدان نمایاں ہے۔ نجیب محفوظ نے اپنے عہد میں موجود معاشرتی بے راہ روی اور اخلاقی تنزل کا بیان نہایت عمدہ انداز میں کیا ہے۔ انیس لیلیٰ کے ساتھ رات گزارنا چاہتا ہے۔ لیلی زیدان ۳۵ سالہ غیر شادی شدہ خاتون ہے۔ امریکن یونیورسٹی کی گریجویٹ ہے اور وزارت امور خارجہ میں ملازمت کرتی ہے۔

"بغیر کسی تمہید کے انیس نے اس کی کلائی پکڑ کر کہا، آج کی رات تم میری ہو"(۲۰)

ان کرداروں کے برعکس، سمارا ایک نسبتاً سنجیدہ اور شعوری نقطۂ نظر کی نمائندہ اور ایک خوبصورت صحافی لڑکی کے روپ میں ہمارے سامنے آتی ہے۔ جو، علی کے توسط سے کشتی گھر میں پہنچی ہے اور وہاں کی محافل کا حصہ بن گئی ہے۔ سمارا کشتی گھر میں موجود گروپ کی سنجیدہ رکن ہے جو ایک ڈراما لکھ رہی ہے۔ اس کے کردار اور پس منظر کشتی سے ہی ماخوذ ہیں۔ لیکن یہ بات وہ اپنے دیگر ساتھیوں سے راز میں رکھتی ہے۔ سمارا کے حوالے سے انگلش ناول اور مضمون نگار نادیہ بنجولون اپنے ایک مضمون میں یوں رقم طراز ہیں:

> "Later they are joined by Samara, a journalist, who is supposedly the serious one of the group. The friends mildly debate differing philosophies and exchange a few romantic misunderstandings, though their cynicism is shared."(۲۱)

سمارا بعد میں خود بھی انھی کے رنگ میں رنگ جاتی ہے۔ سمارا کے ساتھ ساتھ ناول میں ثانیہ کا کردار بھی اس سماجی و نفسیاتی زوال کو ایک مختلف انداز میں نمایاں کرتا ہے۔ ثانیہ ایک پڑھی لکھی خاتون ہے جو اپنے بچوں اور خاندان والوں سے قطع تعلق کر کے اپنے دوستوں کے ساتھ کشتی گھر میں پناہ لیتی ہے۔ یہ کردار اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ بہ حیثیت عورت ثانیہ زندگی کا ہر رنگ دیکھ چکی ہے۔ وہ کشتی گھر میں موجود لڑکیوں کے لیے دانائی کا مجسم نمونہ ہے۔ ثانیہ کامل جب اپنے شوہر کو چھوڑ کر آتی ہے تو مصطفیٰ علی کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے۔

"اب ایک ہنگامی شوہر کی ضرورت ہے۔"(۲۲)

انیس عم عبدہ سے رات گزارنے کے لیے لڑکی لانے کا کہتا ہے تو عم عبدہ انیس کو جواب دیتا ہے۔

"سڑکوں پہ پھرنے والی لڑکیاں ان سے بہتر بھی ہیں اور سستی بھی۔"(۲۳)

نجیب محفوظ اس حقیقت کو بیان کرتے ہیں کہ معاشرے میں موجود اخلاق کا تنزل لوگوں کے لیے باعثِ شرمندگی نہیں ہے بلکہ اب اخلاقیات کی تبدیلی کو فیشن سمجھا جاتا ہے۔

> "ہمارے اعداد و شمار کے مطابق ہم بے داغ ہیں، اور وہ اخلاقیات جو ہم میں موجود نہیں، ایک مردہ عہد کی مردہ اخلاقیات ہیں، اور ہم ایک نئے اور سچے اخلاق کے بانی ہیں جسے مقننہ نامنظور کرے۔"(۲۴)

ناول کے کرداروں میں شخصیت کے تضادات کے ساتھ ظاہر و باطن کا تضاد بھی موجود ہے۔ عم عبدہ بھی ایسے ہی تضاد کی منفرد مثال ہے۔ وہ ایک بوڑھا شخص ہے جو کشتی گھر کی دیکھ بھال کرتا ہے، نماز کی امامت کرتا ہے اور اپنی محدود دنیا میں مگن رہتا ہے۔ اگرچہ وہ دوسروں کے ساتھ موجود ہے، انیس کو لڑکیاں فراہم کرنے پر بھی مجبور ہے، مگر اس کا وجود ایک الگ تھلگ اور خاموش زندگی

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 18. Issue 01, June 2026

کی علامت ہے۔ اس کا یہ دوہرا کردار اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ جدید معاشرے میں فرد اپنی اقدار پر قائم رہنے کے بجائے حالات کے جبر کے تحت متضاد رویے اپنانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ علی، سارا کو عم عبدہ کے بارے میں بتاتا ہے:

"یہ مضبوط بھی ہے اور کمزور بھی، ہے بھی اور نہیں بھی، یہ قریبی مسجد میں امام جماعت بھی ہے اور ہمیں لڑکیاں بھی مہیا کرتا ہے۔"(۲۵)

یہ صورتِ حال محض اخلاقی تضاد نہیں بلکہ یہ رویہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ انسانی رشتے بھی اب صارفیت کے اصولوں کے تابع ہو چکے ہیں۔ باؤمن اسی کیفیت کو صارفیت (consumerism) سے جوڑتے ہیں:

"In a consumer society, people become commodities themselves."(۲۶)

یعنی جدید معاشرے میں انسان خود بھی ایک شے بن جاتا ہے، جسے استعمال کیا جا سکتا ہے اور پھر ترک کر دیا جاتا ہے۔ ناول میں کشتی گھر کے کردار ایک دوسرے کے ساتھ اسی طرح برتاؤ کرتے ہیں، جیسے کوئی شے استعمال کر کے ترک کر دی جائے، جس سے انسانی رشتوں کی بے معنویت واضح ہوتی ہے۔

یہی داخلی تضاد اور بے معنویت کا احساس انیس کے کردار میں ایک اور صورت میں ظاہر ہوتا ہے، خاص طور پر نشے کی حالت میں انیس کا ذہن زندگی کی مقصدیت اور عدم مقصدیت کی سوچوں میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

"ہاں ہمارے پاس زندگی موجود ہے۔ ہم اس کو سمجھنے کی دھن میں اتنے مجذوب ہو گئے ہیں کہ ہم پر یہ حقیقت آشکار ہو گئی کہ اس کا کوئی مقصد نہیں۔"(۲۷)

انیس کا یہ بیان وجودی فکر (existentialism) کی اس جہت کو ظاہر کرتا ہے جہاں انسان زندگی کے معنی تلاش کرتے کرتے اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ زندگی بذاتِ خود بے مقصد ہے۔ ناول کے کردار کشتی گھر میں، حقے کی مدد سے نشہ کرتے ہیں۔ رات کو یہ لوگ کشتی گھر میں اکٹھے ہوتے ہیں مگر نشے میں دھت افراد زندگی کو سمجھنے کی الجھن میں گرفتار نظر آتے ہیں۔ ناول میں جابجا ان کے فلسفیانہ خیالات کا اظہار ہوا ہے۔

"کیا ہم حماقت کے بارے میں سنجیدگی سے نہیں سوچ سکتے؟ اور سنجیدگی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ زندگی کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے لیکن وہ کیا مقصد کیا ہے؟"(۲۸)

یہ سوال دراصل سنجیدگی اور حماقت کے درمیان حدِ فاصل کو چیلنج کرتا ہے، اور اس الجھن کو ظاہر کرتا ہے جس میں جدید انسان مقصد اور بے مقصدیت کے درمیان معلق ہو جاتا ہے۔ مزید بر آں، ناول میں یہ احساس بھی ملتا ہے کہ کردار اپنی بے عملی کو جواز فراہم کرتے ہیں:

"سائنس دانوں کا ستاروں پر یقین ہے، لیکن یہ ستارے کیا ہیں، در حقیقت یہ سنسان مقامات پر بنی علیحدہ علیحدہ دنیائیں ہیں، جو ایک دوسرے سے ہزاروں نوری سال کے فاصلے پر واقع ہیں۔ آپ جو کوئی بھی ہیں کچھ نہ کچھ ضرور کریں، کیونکہ کچھ نہ کرنے سے ہم تباہ ہو گئے ہیں۔۔۔"(۲۹)

یہ جملہ دراصل ایک ایسے ذہنی رویے کی عکاسی کرتا ہے جس میں انسان کسی بامقصد عمل کے بجائے وقتی مشغولیت کو ترجیح دیتا ہے۔ یہ طرزِ فکر سیال جدیدیت کی اس خصوصیت کو ظاہر کرتا ہے جہاں سنجیدگی اور مقصدیت کی جگہ سطحی سرگرمیاں لے لیتی ہیں۔

مزید برآں، ناول میں یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ ہر شخص اپنی ذاتی پریشانیوں اور معاشی مسائل میں الجھا ہوا ہے:

"ہر شخص فکرِ معاش میں مبتلا ہے۔۔۔"(۳۰)

اس طرح فرد اپنی بقا کی جدوجہد میں اس قدر مصروف ہو جاتا ہے کہ اجتماعی ذمے داری اور انسانیت کی خدمت کا احساس پسِ پشت چلا جاتا ہے۔ یہ صورتِ حال باؤمن کے اس نظریے کی عکاس ہے کہ سیال جدید معاشرے میں اجتماعی شعور کمزور ہو جاتا ہے اور فرد اپنی ذات تک محدود ہو جاتا ہے۔ اسی تناظر میں باؤمن لکھتے ہیں:

"We live in a society of strangers."(۳۱)

یعنی جدید دنیا میں لوگ ایک ہی جگہ رہنے کے باوجود ایک دوسرے کے لیے اجنبی بن چکے ہیں۔ یہی کیفیت ناول کے کرداروں میں واضح طور پر نظر آتی ہے، جہاں قربت کے باوجود حقیقی تعلق اور ہمدردی کا فقدان ہے۔

یوں ناول کے کردار ایک ایسی زندگی گزارتے نظر آتے ہیں جو بظاہر رنگین اور آزاد ہے، مگر حقیقت میں وہ ایک گہرے خلا، بے معنویت اور اضطراب کا شکار ہے۔ ان کی فراریت اور وقتی لذتوں کی تلاش دراصل اس داخلی بحران کو چھپانے کی ناکام کوشش ہے جو سیال جدید معاشرے کا بنیادی المیہ ہے۔

ناول کے تمام کردار اپنی اپنی جگہ اپنے ظاہر و باطن کے تضادات اور اپنی ذہنی خلفشار کے ساتھ مکمل روپ میں نظر آتے ہیں۔ وہ جو ہیں جیسے ہیں، کے مصداق قاری کے سامنے آتے ہیں اور اس پر ایک مکمل تاثر قائم کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ ان کے تمام کردار معاشرے کے نمائندہ کردار معلوم ہوتے ہیں۔ خصوصی نمائندہ التضامن، لندن کو انٹرویو دیتے ہوئے نجیب محفوظ اس بات کا خود اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"سماج کا کوئی قصہ جب لکھا جاتا ہے تو اس کا تعلق پورے سماج کے سیاسی، اقتصادی، جغرافیائی اور تاریخی حالات سے ہوتا ہے کیوں کہ اس قصے کے کردار اسی سماج سے چنے ہوئے ہوتے ہیں اس لیے میرے تمام کردار آپ کو پورے سماج کے نمائندے نظر آئیں گے۔"(۳۲)

نجیب محفوظ نے ناول "آبِ نیل پہ آوارگی میں" میں اپنے عہد کے مسائل کی تصویر کشی کرتے ہوئے، معاشرتی بے راہ روی کی نشان دہی کی ہے۔ وجودی فکر کے حامل اس ناول میں جگہ جگہ زندگی کی بے سمتی اور عدم مقصدیت کی نشان دہی کی گئی ہے۔ نجیب محفوظ کے ناول "آبِ نیل پہ آوارگی" میں مصر کے معاشرے کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ کشتی گھر معاشرے کے اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے کی پناہ گاہ ہے۔ جہاں وہ نشے کی حالت میں زندگی کے بارے میں سوال اٹھاتے ہیں۔ یہ دانش ور اور باشعور افراد، جو بظاہر فکری بالیدگی کے حامل ہیں، در حقیقت شدید داخلی کرب، انتشار اور غیر یقینی کیفیت میں مبتلا دکھائی دیتے ہیں۔ ان کرداروں کے ذریعے اس ذہنی پراگندگی اور وجودی اضطراب کو نمایاں کیا گیا ہے، جس سے صرف مصری معاشرہ ہی نہیں بلکہ پوری دنیا روزمرہ زندگی میں دوچار ہے۔ یوں ناول کے

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 18. Issue 01, June 2026

تحقیقی وتنقیدی مجلّہ
دریافت

کردار بظاہر آزاد اور خوش باش نظر آتے ہیں، لیکن حقیقت میں وہ شدید داخلی خلا، بے معنویت اور اضطراب کا شکار ہیں۔ ان کی فراریت، عارضی تعلقات اور غیر سنجیدہ طرزِ زندگی دراصل اس وجودی بحران کو چھپانے کی کوشش ہے جو سیال جدید معاشرے کا بنیادی المیہ ہے۔ اس طرح "آبِ نیل پہ آوارگی" جدید انسان کی نفسیاتی، سماجی اور اخلاقی شکست کی ایک بھرپور عکاسی پیش کرتا ہے اور Zygmunt Bauman کے نظریۂ سیال جدیدیت کی عملی تفسیر بن کر سامنے آتا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ ابنِ حنیف، (پیش لفظ) مصر کا قدیم ادب، بیکن بکس ملتان، ص ۱۲، ۱۱
۲۔ آصف فرخی، تعارف، خواب نامہ، از نجیب محفوظ، مترجم: آصف فرخی، شہر زاد پبلشرز، کراچی، ص ۳
۳۔ ایڈورڈ سعید، نجیب محفوظ اور یادوں کا عذاب، مشمولہ: چور اور کتے، از نجیب محفوظ، مترجم: سید علاؤالدین، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، ص ۷
۴۔ نیر عباس زیدی، عرضِ مترجم: آبِ نیل پہ آوارگی، از نجیب محفوظ، مترجم: نیر عباس زیدی، فکشن ہاؤس لاہور، ص ۷
۵۔ تعارف، https://www.britannica.com/biography/Zygmunt-Bauman، یکم فروری، ۲۰۲۶ء، ۱۰:۳۰
۶۔ Zygmunt Bauman, Liquid Modernity. Polity Press, 2000,p.18
۷۔ ایضاً، ص ۸۳
۸۔ ایضاً، ص ۶۲
۹۔ ایضاً، ص ۳۱
۱۰۔ ایضاً، ص ۱۳۶
۱۱۔ نجیب محفوظ، آب نیل پہ آوارگی، مترجم: نئیر عباس زیدی، فکشن بک ہاؤس، ۲۰۰۴ء، ص ۵۵
۱۲۔ ایضاً، ص ۶۰
۱۳۔ ایضاً، ص ۱۱
۱۴۔ ایضاً، ص ۲۸
۱۵۔ ایضاً، ص ۱۰۸
۱۶۔ ایضاً، ص ۲۷
۱۷۔ ایضاً، ص ۱۳۷
۱۸۔ ایضاً، ص ۵۳
۱۹۔ ایضاً، ص ۲۴

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 18. Issue 01, June 2026

تحقیقی وتنقیدی مجلّہ
دریافت

۲۰۔ ایضاً، ص ۲۴

۲۱۔ Nadia Benjelloun(Reviewed), Adrift on the Nile by Naguib Mahfouz, https://booksmugglersden.com/2020/05/08/adrift-on-the-nile-by-naguib-mahfouz/

۲۲۔ نجیب محفوظ، آب نیل پہ آوارگی، مترجم: نئیر عباس زیدی، ص ۳۰

۲۳۔ ایضاً، ص ۴۳

۲۴۔ ایضاً، ص ۱۳۴

۲۵۔ ایضاً، ص ۵۱

۲۶۔ Zygmunt Bauman, Liquid Modernity,p.12

۲۷۔ نجیب محفوظ، آب نیل پہ آوارگی، مترجم: نئیر عباس زیدی، ص ۵۷

۲۸۔ ایضاً، ص ۶۵

۲۹۔ ایضاً، ص ۳۶

۳۰۔ ایضاً، ص ۳۵

۳۱۔ Zygmunt Bauman, Liquid Modernity,p87

۳۲۔ بدرالدین الحافظ، ڈاکٹر، نجیب محفوظ: اپنی نگارشات کے آئینہ میں، مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، نئی دہلی، ۱۹۸۹ء، ص ۲۳۱

References in Roman Script:

1. Ibn-e-Haneef, (Pesh Lafz) Misr ka Qadeem Adab, Bacon Books Multan, p. 11–12
2. Asif Farukhi, Taaruf, Khwab Nama, az Najeeb Mahfooz, mutarjim: Asif Farukhi, Shehrzad Publishers, Karachi, p. 3
3. Edward Said, Najeeb Mahfooz aur Yadon ka Azaab, mashmoola: Chor aur Kutte, az Najeeb Mahfooz, mutarjim: Syed Alauddin, City Book Point, Karachi, p. 7
4. Nair Abbas Zaidi, Arz-e-Mutarjim: Aab-e-Neel Pe Aawargi, az Najeeb Mahfooz, mutarjim: Nair Abbas Zaidi, Fiction House Lahore, p. 7
5. Taaruf, https://www.britannica.com/biography/Zygmunt-Bauman, 1 February 2026, 10:30
6. Zygmunt Bauman, Liquid Modernity, Polity Press, 2000, p. 18
7. Ibid., p. 83
8. Ibid., p. 62
9. Ibid., p. 31
10. Ibid., p. 136
11. Najeeb Mahfooz, Aab Neel Pe Aawargi, mutarjim: Nair Abbas Zaidi, Fiction Book House, 2004, p. 55
12. Ibid., p. 60
13. Ibid., p. 11
14. Ibid., p. 28

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 18. Issue 01, June 2026

15. Ibid., p. 108
16. Ibid., p. 27
17. Ibid., p. 137
18. Ibid., p. 53
19. Ibid., p. 24
20. Ibid., p. 24
21. Nadia Benjelloun (Reviewed), Adrift on the Nile by Naguib Mahfouz, https://booksmugglersden.com/2020/05/08/adrift-on-the-nile-by-naguib-mahfouz/
22. Najeeb Mahfooz, Aab Neel Pe Aawargi, mutarjim: Nair Abbas Zaidi, p. 30
23. Ibid., p. 43
24. Ibid., p. 134
25. Ibid., p. 51
26. Zygmunt Bauman, Liquid Modernity, p. 12
27. Najeeb Mahfooz, Aab Neel Pe Aawargi, mutarjim: Nair Abbas Zaidi, p. 57
28. Ibid., p. 65
29. Ibid., p. 36
30. Ibid., p. 35
31. Zygmunt Bauman, Liquid Modernity, p. 87
32. Badruddin Al-Hafiz, Dr., Najeeb Mahfooz: Apni Nigaarishat ke Aaine Mein, Maktaba Jamia Limited, New Delhi, 1989, p. 231

Dr. Sidra Tahir is serving as Assistant Professor (IPFP) in the Department of Urdu, International Islamic University, Islamabad, Pakistan. She holds a PhD from the National University of Modern Languages, Islamabad, and specializes in Urdu fiction. Her research interest includes Prose critics, Iqbal Studies, Urdu research and editing. She has seven published research articles to her credit.

Dr. Sheema Saadia is a teacher at Aide Spruce Elementary School, South San Francisco, California, USA. She holds a PhD from the National University of Modern Languages, Islamabad. Her research interest includes Urdu fiction and Urdu poetry. She has four published research articles to her credit.